

نفاذِ شریعت ایکٹ ۱۹۷۹ء پر اعتراضات کا

----- ایک علمی محاکمہ -----

پروفیسر خورشید احمد

قسط (۱)

پارلیمنٹ میں "نفاذِ شریعت بل" پیش ہوتے ہی ملک میں بحث کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا، جو اس کے ایکٹ بن جانے کے بعد بھی جاری ہے۔ یہ سلسلہ کوئی نیا سلسلہ نہیں۔ جب بھی نفاذِ شریعت کا مطالبہ ہوا ہے، یا اس کا امکان پیدا ہوا ہے، یا اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھایا گیا ہے، اسی طرح بحث کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ اور نہ آج کوئی ایسی نئی بات کہی جا رہی ہے، جو پہلے نہ کہی گئی ہو۔

اس بحث میں شریک ہونے والے ----- کچھ وہ لوگ ہیں جن کا دعویٰ یہ ہے کہ نفاذِ شریعت ایکٹ کے قانون بننے ہی نفاذِ شریعت کا وہ وعدہ پورا ہو گیا جو قیامِ پاکستان کے وقت کیا گیا تھا، اور جس کا اعادہ پورے زور شور سے ۱۹۹۰ء کے انتخابات کے دوران کیا گیا تھا۔ اور اس طرح قوم کا خواب شرمندہ تعبیر ہونا شروع ہو گیا ہے۔ یہ طبقہ اربابِ اقتدار کا ترجمان ہے اور اس وقت اس سے تقرض کرنا ہمارے پیشِ نظر نہیں۔ ----- کچھ اور لوگوں کے نزدیک اس ایکٹ سے نفاذِ شریعت کے عمل میں کوئی پیش رفت نہ ہوئی ہے، نہ ہوگی۔ ان کے نزدیک یہ اقدام ناکافی، غیر تسلی بخش اور ناقابلِ اعتبار ہے۔ جس طرح اور جس انداز میں یہ ایکٹ پاس ہوا ہے، اس کی روشنی میں ان کے احساس کو بے وزن کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا۔ ----- تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو سرے سے نفاذِ شریعت چاہتے ہی نہیں، یا اس کے مخالف ہیں۔ وہ شریعت بل کی مخالفت کی آڑ میں دراصل شریعت کے نفاذ اور معاشرہ و ریاست میں قرآن و سنت کی بالا دستی کی مخالفت کرتے ہیں۔ کہیں تھیو کریسی، کہیں ملا کریسی، کہیں دستور، پارلیمنٹ کی بالا دستی اور بنیادی حقوق، کہیں عدالتوں کے حق کے چھین لیے جانے کی دھائی دے کر، اور ان کے ختم ہو جانے کے موبوم اور بے بنیاد اعتراضات کی آڑ میں وہ انتہائی چا بکدستی سے ایک ناواقف آدمی کے ذہن کو مسموم کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

اس تیسرے گروہ کی طرف سے جو بحث ملک میں پچھلے چند مہینوں میں ہوئی ہے اور جو باتیں

خود پارلیمنٹ میں کسی گئی ہیں (بشمول اس اختلافی نوٹ کے جو اسمبلی کے چند ارکان نے سلیکٹ کمیٹی (Select Committee) کی رپورٹ کے ساتھ پیش کیا) وہ اس امر کا تقاضا کرتی ہیں کہ اس ایکٹ اور اس کے بارے میں کسی جانے والی ان کی باتوں کا بے لاگ تجزیہ کیا جائے تاکہ نہ صرف ایکٹ ہی نہیں بلکہ خود نفاذ شریعت کے بارے میں ملک میں جو سوال اٹھائے گئے ہیں اور جو بحثیں برپا کی گئی ہیں ان کا محاکمہ کیا جاسکے، اور جہاں کہیں کچھ حقیقی غلط فہمیاں یا الجھنیں پائی جاتی ہیں ان کو دور کیا جاسکے۔ دراصل شریعت بل کی آڑ میں لادینی لابی (Secular Lobby) خود شریعت کو ہدف بنا رہی ہے اور اسلام کے مقابلہ میں لادینیت (Secularism) اور لبرل ازم (Liberalism) میں ملک کے سیاسی مستقبل کو تلاش کر رہی ہے۔ ضروری ہے کہ اس شرانگیز کوشش کا پردہ چاک کیا جائے۔ نیز اسلام اور اس کے قانون کے بارے میں جو غلط بیانیوں اور شرانگیزیوں (INSINUATION) کی جا رہی ہیں ان کا مثبت جواب دیا جائے۔



جب بھی شریعت حقیقتاً نافذ ہوگی، اسے ملک کے اعلیٰ ترین قانون کی حیثیت لازماً حاصل ہوگی۔ اس کے علی الرغم کہ دستور میں لکھے بغیر یہ بات کتنی مؤثر ہوگی، موجودہ شریعت ایکٹ کا سب سے اہم پہلو یہی ہے کہ اس میں شریعت کو ”پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون“ (Supreme Law of Pakistan) تسلیم کیا گیا ہے۔

پاکستان کے دستور ۱۹۷۳ء میں اسلام کو مملکت کا سرکاری مذہب تسلیم کیا گیا ہے (دفعہ ۲)۔ پھر ۱۹۸۵ء میں قرار داد مقاصد (objectives Resolution) کو دستور کا قابلِ تفیذ (Operative) حصہ قرار دیا گیا ہے (دفعہ ۲ - الف)۔ پارلیمنٹ کو پابند کیا گیا ہے کہ ملک میں کوئی قانون سازی قرآن و سنت کے احکام کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ نیز یہ کہ تمام مروجہ قوانین کو قرآن و سنت کے احکام کے مطابق تبدیل کیا جائے گا (دفعہ ۲۲۷)۔ ملکی قوانین کے احکام اسلام سے متضاد یا مطابق ہونے کا فیصلہ کرنے کے لیے ۱۹۸۰ء میں وفاقی شرعی عدالت (Federal Sharia Court) قائم کی گئی (دفعہ ۲۰۳ - الف)۔ ان تمام دستوری دفعات کا تقاضا ہے کہ شریعت کو ملک کا بالاتر قانون صاف لفظوں میں تسلیم کیا جائے تاکہ اس امر کو تعبیر کے نتیجہ میں اخذ نہ کیا جائے بلکہ دستور کی واضح نص کے ذریعہ متعین کر دیا جائے۔ ۱۹۸۵ء میں آٹھویں ترمیم کے وقت اسی امر کا مطالبہ کیا گیا تھا، اور اس وقت قومی اسمبلی اور سینٹ نے علیحدہ علیحدہ قرار دادوں کے ذریعہ اس اصول کو تسلیم کیا تھا کہ قرآن و سنت ملک کا بالاتر قانون

تسلیم کئے جائیں گے، لیکن اس وعدہ کو پورا نہیں کیا گیا۔ اب شریعت ایکٹ کے ذریعہ دستور کے اس منشاء کو قانون کا درجہ دیا گیا ہے، مگر حقیقی معنوں میں قرآن و سنت کو بالا تر قانون Supreme Law کی حیثیت ابہام اور تنازع سے پاک اسی وقت حاصل ہوگی جب اس بات کو صاف الفاظ میں دستور ہی میں لکھا جائے۔ اس دستوری ترمیم کا وعدہ وزیر اعظم جناب محمد نواز شریف صاحب نے پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس (۱۰ اپریل ۱۹۹۱ء) میں عمرہ کے لئے تشریف لے جانے سے پہلے واضح الفاظ میں کیا تھا۔ شریعت ایکٹ کے ذریعہ اس مطالبہ کے تسلیم کئے جانے کا جو مرحلہ طے ہوا ہے وہ کمزور اور ناقص ہے۔ اب اصل کام اس وقت ہوگا جب دستور میں بھی یہ شامل کیا جائے کہ قرآن و سنت ہر قانون سے، بشمول دستور کے، بالا تر قانون ہوں گے۔



شریعت ایکٹ کے مخالفین نے اس دفعہ کو خصوصیت سے اپنی تنقید کا ہدف بنایا ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں ان کے اعتراضات پر کلام کیا جائے۔ ہم مقررین کے محرکات پر بات نہیں کریں گے البتہ ہماری کوشش ہوگی کہ جو علمی اعتراضات اس دفعہ پر کئے گئے ہیں ان کا تعاقب کریں۔ بنیادی طور پر پانچ اعتراضات ہیں جو اس دفعہ پر کئے گئے ہیں:

۱۔ پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ قرآن و سنت ملک کے قانون کا ماخذ (Sources of Law) ہو سکتے ہیں، ملک کا بالا ترین قانون (Supreme Law) نہیں۔ اس لیے شریعت کو ملک کا بالا ترین قانون کہنا صحیح نہیں۔ اس موقف کی تائید میں دو باتیں کہی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن پاک میں احکام کے علاوہ اہم سابقہ کے قصص و حکایات، اخلاق و اصول، ترغیب و ترہیب، انفس و آفاق کے شواہد سب ہی کچھ موجود ہے۔ اس بناء پر اسے بالاتر قانون نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن و سنت قانون کا اعلیٰ ترین ماخذ ہیں، خود قانون نہیں۔ مزید دعویٰ کیا گیا ہے کہ قرآن نے اپنے بارے میں یہ نہیں کہا کہ وہ قانون ہے بلکہ اس نے اپنے آپ کو صرف ہدایت کہا ہے۔

۲۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ علماء اور خصوصیت سے اسلامی دستور کا مطالبہ کرنے والوں نے قیام پاکستان کے بعد سے قرآن و سنت کے ماخذ قانون بنائے جانے کا مطالبہ تو کیا ہے، مگر بالاتر قانون بنانے کا نہیں کیا۔ یہ ایک بالکل نئی بات ہے جو اب کہی جا رہی ہے۔

۳۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ شریعت کو بالا ترین قانون ماننے کے معنی یہ ہیں کہ پارلیمنٹ قانون سازی کے حق سے محروم ہو جائے گی اور یہ پارلیمنٹ کی بالادستی کے خلاف ہے۔

۴۔ چوتھا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ — چونکہ اس کے نتیجہ میں عدالتیں شریعت کے نفاذ میں بلا واسطہ شریک ہو جائیں گی اور خلاف شریعت قوانین کو کالعدم کر سکیں گی اس لئے ان کا یہ حق دراصل پارلیمنٹ کی بالاتر حیثیت کو مجروح کرے گا۔ اس طرح ایک قسم کی دو عملی وجود میں آئے گی، جس سے بہت خلفشار پیدا ہو سکتا ہے۔

۵۔ ایک اور اعتراض یہ بھی کیا گیا ہے کہ عدالتوں کو شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا اختیار تو دیا جا رہا ہے لیکن عدالتوں، خصوصاً ”محلّی عدالتوں“ (Lower Courts) کے مجسٹریٹ اور جج حضرات شریعت کا کافی علم نہیں رکھتے، اور وہ شریعت کی تعبیر و تشریح میں فاش غلطیاں کر سکتے ہیں۔ اس سے بھی ذہنی خلفشار اور قانونی الجھاؤ اور ٹولیدہ فکری پیدا ہوگی۔ یہ صورت حال نفاذ شریعت کے لیے ممد و معاون نہیں ہوگی۔



ہماری نگاہ میں شریعت ایکٹ کی سب سے اہم، بلکہ اصل دفعہ، یہی ہے جو شریعت کو ملک کا بالاتر قانون قرار دیتی ہے۔ اسلامی نظام اور دوسرے نظاموں میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ اسلام اللہ کی حاکمیت کے اصول کو قائم کرتا ہے۔ اسلام نام ہی اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام معاملات میں ”حکم“ یعنی اصل فیصلہ کرنے والا قرار دیتا ہے۔ نہ فرد اصل فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے اور نہ پارلیمنٹ یا عدالت — بلکہ سب اللہ کو اصل فیصلہ کرنے والی قوت تسلیم کرتے ہیں اور اس کے معنی قرآن و سنت کو — پورے قرآن کو نہ کہ اس کے کسی جز کو اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنت کو نہ کہ اس کے ایک حصہ کو — فرقان یعنی حق و باطل میں تمیز کرنے والا مانتا ہے۔ قرآن اس حقیقت کو بہت صاف الفاظ میں بیان کرتا ہے:

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ فَذَكِّرَ الْبَنِينَ الْقِيمَ (سورۃ یوسف ۴۰)

حکم سوائے اللہ کے اور کسی کا نہیں۔ اس کا فرمان ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی عبادت (پرستش، بندگی اور اطاعت) نہ کرو۔ یہی صحیح دین ہے۔
وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَلَوْلِيكَ هُمُ الْكَافِرُونَ..... هُمُ الْفَاسِقُونَ..
... هُمُ الظَّالِمُونَ (المائدہ - ۴۴)

جو اللہ کی نازل کی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی دراصل کافر

ہیں..... وہی فاسق ہیں..... وہی ظالم ہیں۔
 اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ بِالْحَقِّ لِنُحْكِمَنَّكَ مِنَ النَّاسِ بِمَا اَوْاٰكَ اللّٰهُ (النساء - ۱۰۵)
 ہم نے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ تو لوگوں کے
 درمیان اس علم کے ساتھ فیصلہ کرے جو اللہ نے تجھے دیا ہے۔
 وَقُلْ اَمْسُتُ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتَابٍ وَاْمُرْتُ لِاعْمَلُ فَمَنْكُمُ (الشوریٰ - ۱۵)
 اور (اے نبیؐ) کہہ دو کہ میں ایمان لایا ہوں اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی
 ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان (اس کتاب کے مطابق)
 عدل کروں۔

ستم عمریٰ ہے کہ کہا گیا ہے کہ قرآن پاک نے اپنے آپ کو قانون نہیں کہا، بلکہ صرف
 ہدایت کہا ہے۔ حالانکہ قرآن اپنے بارے میں صاف الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ وہ اللہ کا قانون
 ہے اور فیصلہ کی میزان اور کوئی ہے۔ قرآن کے لئے الکتاب کا لفظ ساٹھ سے زیادہ بار استعمال
 ہوا ہے۔ کتاب کے معنی فرض اور حکم کے بھی ہیں۔ خود قرآن پاک میں کتاب کا لفظ قانون
 خداوندی اور حکم کے معنی میں متعدد بار استعمال ہوا ہے۔ مثلاً اِنَّ الصَّلٰوةَ كُنْتُ عَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ
 كِتَابًا مُّؤَقَّتًا (النساء - ۱۰۳) كُتِبَ عَلَیْكُمْ الصَّلٰوةُ (البقرہ - ۱۸۳) كُتِبَ عَلَیْكُمْ الْقِتَالُ (البقرہ
 - ۲۲۹)

مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب ”عبد نبویؐ میں نظام حکمرانی“ میں اس پر مفید بحث کی
 ہے اور لکھا ہے کہ

”کتاب کے معنی فرض اور حکم کے بھی ہیں۔ جرمن لفظ
 (Vorschrift) اور فرانسیسی اور انگریزی لفظ (Prescription) روسی
 لفظ ”پریڈ سیپشن“ اور ہسپانوی لفظ (Prescripcion) (معنی فرض و
 حکم) کا مادہ بھی کتاب ہی کے معنی رکھتا ہے“ (صفحہ ۸۲)

قرآن مجید نے اپنے لئے حکم اور فرقان کی اصطلاحیں جب بھی استعمال کی ہیں، یہ اس کے بالاتر
 قانون اور فیصلہ کرنے والی آخری اتھارٹی ہونے کی حیثیت کو ثابت کرتی ہیں (ملاحظہ ہو امام
 راغب اصفہانی۔ المفردات)

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ لِيَحْكُمَ فَرَّغَتْ اَنْ يَقُوْلُوْا
 سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (التّور - ۵۱)

ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ بلائے جائیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف مائل رہیں کہ رسولؐ ان کے درمیان فیصلہ کرے، تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے تسلیم کر لیا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجْعَلُوا فِئَةً
أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء - ۶۵)

پس اے نبیؐ! تیرے رب کی قسم، وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اپنے تمام معاملات میں تجھے فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں اور پھر جو فیصلہ تو کرے اس کی طرف اپنے دل میں کوئی تنگی تک محسوس نہ کریں بلکہ اسے برو چشم قبول کر لیں۔

اور اس بات کو دوسری جگہ فرما کر قرآن و سنت کے بالاتر قانون ہونے کے اصول کو خود قرآن نے ہمیشہ کے لئے طے کر دیا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ
الْخِيفَةُ مِنْ أَمْرِهُمُ وَمَنْ تَخَفْصَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ فَقَدْ ضَلَّ صُلًى لَا تَبِينًا (الاحزاب - ۳۶)

اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب کسی معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسولؐ کر دے تو پھر ان کے لئے اپنے اس معاملہ میں خود فیصلہ کر لینے کا اختیار باقی رہ جائے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

وہ معترضین جو اس ایکٹ میں قرآن و سنت کے بالاتر قانون لکھنے پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہیں، ہم ان کو دعوت دیتے ہیں کہ قرآن پاک کی مندرجہ بالا نصوص پر کھلے ذہن سے غور کریں اور پھر سوچیں کہ کیا قرآن بیحد اس بات کا مطالبہ نہیں کرتا کہ اسے بالاتر قانون ہی تسلیم کیا جائے؟ اس کے ساتھ اس آیت کریمہ پر بھی غور کر لیں تو انہیں اپنی پوزیشن پر نظر ثانی کرنے میں مدد ملے گی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ
بَيْنَهُمْ ثُمَّ يُتَوَلَّوْنَ لَوِئْلَىٰ مِنْهُمْ مَّعْرُضُونَ (آل عمران - ۲۳)

تم نے دیکھا نہیں کہ جن لوگوں کو کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ ملا ہے

ان کا حال کیا ہے؟ انہیں جب کتاب الہی کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، تو ان میں سے ایک فریق پہلو تہی کرتا ہے اور اس فیصلہ کی طرف آنے سے منہ پھیر جاتا ہے۔

جب قرآن خود اس امر کا مطالبہ کرتا ہے کہ اسے بالاتر قانون مانا جائے تو پھر کوئی اور دلیل لانے کی حاجت نہیں۔ دستور میں قرآن و سنت کے خلاف قانون سازی کا دروازہ ضرور بند کیا گیا ہے، مگر مثبت طور پر قرآن کو بالاتر قانون قرار نہیں دیا گیا، جو اس کا حقیقی مقام ہے۔ شریعت ایک شریعت کی اس حیثیت کو واضح کرتا ہے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ اسی بات کو دستور میں بھی واضح الفاظ میں درج کیا جائے، تاکہ کسی دائرے میں بھی کسی طرح کا کوئی ابہام باقی نہ رہے۔



کہا گیا ہے کہ یہ کوئی نئی بات ہے جو پہلے نہیں کہی گئی۔ لیکن یہ اعتراض بھی حقائق سے مناسبت نہیں رکھتا۔ اہل علم ہر دور میں اسلامی حکومت اور ریاست کی یہی تعریف بیان کرتے رہے ہیں کہ اس میں قرآن و سنت کو بالا ترین قانون تسلیم کیا جاتا ہے۔

مولانا حامد الانصاری غازی ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہونے والی کتاب ”اسلام کا نظام حکومت“ میں کہ جو تقسیم ملک سے قبل شائع ہوئی تھی اور اس کے بعد بھی کئی بار شائع ہو چکی ہے، امام ابو حنیفہؒ کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ ”اسلام کا مقصد اسلام کی حکومت کے علاوہ کچھ نہیں۔ اسلام کی حکومت کا مفہوم کیا ہے، صرف یہ کہ ہم سب خدا کے اطاعت گزار اور خدا کی حکومت کے مکمل بردار ہیں“ (الاسلام هو التسليم والانقياد لوامر الله تعالى - فقہ اکبر ص ۷۹)

(اسلام کا نظام حکومت - تیسرا ایڈیشن صفحہ ۳۴)

یہی مصنف قرآن پاک کے ”قانون کلی“ ہونے پر مفصل بحث کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ ”قرآن حکیم اسلام کا قانون کلی ہے“ (صفحہ ۳۹)

”قرآن عظیم کی قانونی حیثیت صاف اور شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ہمیں اس کے صفحات میں مقنن اعلیٰ کے جو فرامین ملتے ہیں ان سے اس دعویٰ کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ کتاب روحانیت اور اخلاق کی طرح تہذیب و تمدن کا ضابطہ اور حکومت اور سلطنت کا قانون کلی ہے“

(صفحہ ۱۷۳)

”اسلامی حکومت، اپنی حکمت عملی کے قلمرو میں، ایک مکمل، بلند و بالاتر، تحریری مجموعہ قانون)

قرآن حکیم اور کتاب مسطور (کی پابند ہے“ (صفحہ ۱۷۱)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ سنت اور قانون سازی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قرآن مجید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل کو اسوۂ حسنہ اور قانون کی حیثیت دی ہے۔“ (عہد نبوی میں نظام حکمرانی (۱۹۸۱ء) صفحہ ۱۳۰)

محمد اسعد (Leopold Weis) اپنی کتاب ”اسلامی مملکت و حکومت کے بنیادی اصول“ (ترجمہ مولانا غلام رسول مہر لاہور ۱۹۶۳ء) میں لکھتے ہیں:

”اسلام نے مسلمانوں پر لازم قرار دے دیا ہے کہ وہ اپنے تمام فیصلوں کو اس الٰہی قانون کی رہنمائی کے تابع رکھیں جو قرآن لے کر آیا ہے اور جس پر عمل کا نمونہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات بابرکات نے پیش کیا۔ اس وجہ سے امت کے حق قانون سازی پر قطعی پابندیاں عائد ہو گئیں اور ارادہ عوام کو بالاتر حاصل نہ رہی جو مغرب کے تصور جمہوریت کا لائینگ جزو ہے۔“ (کتاب مذکور۔ صفحہ ۳۹)



ہم نے یہ خوالہ جات ان اہل علم کے دیئے ہیں جو مطالبہ دستور اسلامی سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے تاکہ خالص علمی پوزیشن واضح ہو جائے۔ رہا معاملہ تحریک اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا تو انہوں نے شروع ہی سے یہ بات کہی تھی کہ شریعت بالاتر قانون ہے، اور اس کا دستور کی زبان سے اظہار ضروری ہے۔ بلاشبہ انہوں نے قرآن و سنت کے ماخذ قانون ہونے کی بات بھی کہی ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ قرآن و سنت کو بالاتر قانون تسلیم کیا جانا چاہئے۔ اسلام کے مقاصد کی تکمیل دونوں باتوں کے تسلیم کئے جانے سے ہوتی ہے۔ اپنی اس تاریخی تقریر میں جو ”پاکستان میں اسلامی قانون کا نفاذ کس طرح ہو سکتا ہے؟“ کے موضوع پر لاء کالج لاہور میں ۱۹ فروری ۱۹۴۸ء کو کی گئی تھی اور جس سے مطالبہ نظام اسلامی کی مہم کا آغاز ہوا تھا مولانا مودودیؒ نے کہا تھا کہ ملک کی دستور ساز اسمبلی باقاعدہ اس امر کا اعلان کرے کہ

”ریاست کا اساسی قانون شریعت خداوندی ہے۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

ذریعہ ہمیں پہنچی ہے۔“ (اسلامی قانون صفحہ ۵۲)

فروری ۱۹۵۸ء میں جو بین الاقوامی مجلس مذاکرہ لاہور میں منعقد ہوئی تھی اس میں مولانا مودودیؒ نے

”اسلام میں قانون سازی کا دائرہ عمل“ کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے اپنے مقالہ میں فرمایا:

”اسلام اپنی ساری دعوت ہی اس بنیاد پر اٹھاتا ہے کہ انسان کو اپنی اخلاقی اور اجتماعی زندگی میں خدا

کے اس قانون شرعی کو تسلیم کرنا چاہئے۔ جو اس نے اپنے انبیاء کے ذریعے سے بھیجا ہے۔ اس قانون

شرعی کو ماننے اور اس کے مقابلہ میں اپنی خود مختاری سے دست بردار ہو جانے کا نام وہ ”اسلام“ رکھتا

ہے، اور صاف صاف الفاظ میں انسان کے اس حق کا انکار کرتا ہے کہ جن معاملات کا فیصلہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیا ہو، ان میں وہ خود اپنی رائے سے کوئی فیصلہ کرے۔“

(اسلامی ریاست صفحہ ۴۴۰)

پھر اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے صاف الفاظ میں انہوں نے کہا

”یہی محمدی تعلیم (یعنی قرآن و سنت) وہ بالاتر قانون (Supreme Law) ہے جو حاکم اعلیٰ کی مرضی کی نمائندگی کرتا ہے۔“

(اسلامی ریاست صفحہ ۴۴۰)

یہ چند اقتباس اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ قرآن و سنت کو بالاتر قانون تسلیم کرنا ہمارے مطالبہ میں ہمیشہ شامل رہا ہے۔ البتہ مخصوص حالات کی بناء پر جس موقع پر جتنی بات منوائی جاسکی اس کی کوشش کی گئی۔ سابقہ ۴۰ سال کے تجربے سے یہ سبق ملتا ہے کہ قانون اور دستور میں واضح الفاظ میں شریعت کو بالاتر قانون تسلیم کیا جانا ضروری ہے۔ یہی وہ صورت ہے جس میں متفقہ اور عدلیہ دونوں نفاذ شریعت کے عمل میں بیک وقت مؤثر ہو سکیں گے۔

ایک ضروری تصحیح

رسائل و مسائل حصہ اول

ایک نیک دل کرم فرمانے خط میں توجہ دلائی ہے کہ رسائل و مسائل حصہ اول ص ۶-۳۹۵ پر سورہ توبہ کی آیت ۲۴ کے نقل کرنے میں ایک لفظ چھوٹ گیا ہے۔ یعنی قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَنِسَاءُكُمْ فَإِخْوَانُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ الخ ... میں لفظ ازواجکم درج نہیں ہوا جو اخوانکم کے بعد اور عشیرتکم سے پہلے ہونا چاہئے۔ مزید لغزش یہ ہوئی کہ ترجمے میں اخوانکم اور ازواجکم دونوں کا ترجمہ غائب ہے۔ ان اغلاط کی تصحیح کے لئے اسلامک پبلیکیشنز کو مطلع کر دیا گیا۔

بعد ازاں ہم نے ترجمان القرآن جلد ۲۷ عدد ۲۱ (ماہ جولائی و اگست ۱۴۲۵ء) کے رسائل و مسائل کے صفحات کو دیکھا جہاں سے یہ سوال جواب نقل ہوا تھا۔ اس میں آیت ۲۴ (سورہ توبہ) تو مستفرد نے اپنے خط میں لکھی ہے اور وہی لفظ ازواجکم کو چھوڑ گئے ہیں۔ پروف ریڈر بھی اس غلطی پر متوجہ نہ ہو سکے۔ لیکن آیت کا ترجمہ وہاں ٹھیک درج ہے۔ معلوم نہیں اس میں غلطی کس طرح پیدا ہوئی۔

دیے اگر یہ مولانا مودودیؒ کی تحریر ہوتی تو غالباً وہ خود چیک کرتے۔

قارئین ترجمان القرآن میں سے جو اصحاب فاضل رکھتے ہوں وہ متعلقہ شمارہ میں تصحیح فرمائیں۔

(ادارہ)